OPEN ACCESS
AL-EHSAN
ISSN(E) 2788-4058
ISSN(P) 2410-1834
www.alehsan.gcuf.edu.pk
PP: 9-21

تصوف کا مفہوم: بابا فریدؒ کی تعلیمات کی روشنی میں

Meanings of Tasawwuf: in the Light of Baba Fareed's Teachings

Dr. Mumtaz Ahmad Sadeedi Al Azhari

Chairman Department of Arabic, Minhaj University, Lahore

Abstract

Hazrat Baba Farid-ud-Din Masood (may Allah have mercy on him) is one of the great Sufis who spread the light of Islam in the Indo-Pak Subcontinent. The focus of this article is to explore the significance of the love of God, remembrance of God, fear of God, trust in God, repentance, recitation of the Holy Quran, thought of the hereafter and service to the people in his teachings, and to see whether his teachings contradict Shariah. The purpose of the analysis of Hazrat Baba Farid-ud-Din Masood's (may Allah have mercy on him) teachings is to understand how far they synchronize with the Holy Quran and the sunnah of the Prophet (peace be upon him).

Keywords: Farid-ud-Din Masood, Subcontinent, Love of God, Remembrance of God, Fear of God, Trust of God,

حضرت بابا فرید الدین مسعود رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک وہند میں اسلام کا نور پھیلانے والے عظیم صوفیاء میں سے ایک ہیں، کتاب وسنت سے ماخوذ آپ کی تعلیمات آج بھی دعوت و ارشاد کے میدان میں خدا پرستی اور انسان دوستی کا شعور بیدار کر رہی ہیں، پیش نظر مقالے میں اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ حضرت بابا فرید کی تعلیمات میں تصوف کے خدوخال کیا ہیں؟ آپ کے ملفوظات کا مطالعہ کرنے پر مقالہ نگار کو تصوف اور دیگر چند اہم عنوانات پر بعض عنوانات دستیاب ہوئے، اِن عنوانات کے حوالے سے حضرت بابا فریدؒ کے واضح تصورات سامنے لانے کی کوشش کی

گئی ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے تصوف اور درویشی کے تصور کو بھی براہِ راست اجاگر کیا ہے، مندرجہ بالا عنوانات کے تحت آپ کی تعلیمات درج ذیل ہیں:

تصوف اور درویشی

صوفیائے کرام نے ہر دور میں تصوف کے حوالے سے غلط اور صحیح رجحانات کی وضاحت فرمائی اور اپنی صفوں میں موجود کالی بھیڑوں کو بے نقاب کیا، مگر تصوف کے بعض ناقدین نے پھر بھی تصوف اور صوفیاء پر شدید تنقید کا سلسلہ جاری رکھا جو آج بھی جاری ہے، ہم بابا فریدؒ کی صوفیانہ تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تاکہ ہم تصوف اور درویشی خاکہ دیکھ سکیں، آپ فرماتے ہیں:

> "صاحبِ تصوف کو دلی اصلاح اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ اپنے باطن کو دنیاوی آلائشات سے بالکل صاف کرلیتا ہے۔"(۱)

حضرت بابا فریدؒ نے تصوف کی ایک مختصر تعریف یوں کی ہے:

> "تصوف اِس بات کا نام ہے کہ صوفی کی ملک میں کچھ نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی کا ملک ہو۔"(۲)

خدمتِ خلق

حضرت بابا فریدؒ اوراد و وظائف کی اہمیت کے قائل تھے راحت القلوب (ص:۲۹-۳۰) میں اس کی تفصیل موجود ہے، آپ اپنے مریدین کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اُنہیں اوراد وظائف کی تلقین بھی فرمایا کرتے تھے، آپ کی نگاہ میں اوراد و وظائف اور تلاوتِ قرآن کی ایک خاص اہمیت تھی مگر آپ حاجت مندوں کی حاجت روائی کو اوراد و وظائف پر ترجیح دیتے تھے، آپ فرماتے ہیں:

> "صاحب سجادہ بزرگوں پر واجب ہے کہ تلاوتِ قرآن میں مشغول ہوں، جب کوئی آئے تو تلاوت چھوڑ کر اُس کی خدمت میں مشغول ہو جائیں کیونکہ مذہبِ سلوک کے بموجب حاجتمندوں کی حاجت روائی وِرد و ظائف میں مشغولیت سے افضل ہے۔"(۳)

صوفیائے کرام طریقت کے کسی بھی دبستان سے تعلق رکھتے ہوں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں موجود زہد کو تصوف کی بنیاد گردانتے ہیں، اِسی تناظر میں حضرت بابا فریدؒ فرماتے ہیں:

> "اصل درویشی وہی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی، صبح سے دوپہر تک اور دوپہر سے شام تک جو کچھ آتا راہ خدا میں صرف کرتے۔ اور حضرت امیر المومنین علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بار ہا خطبہ میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شام تک کوئی چیز بچا کر رکھی ہو۔"(۴)

بابا فریدؒ قربِ الٰہی پانے والے درویشوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اے درویش! درویشوں نے دنیا ہی میں بحالتِ زندگی اپنے تئیں مردہ بنایا ہے۔ اور اپنے تئیں تمام چیزوں سے باز رکھا ہے، ہاتھوں کو چھوٹا کر لیا ہے تاکہ نہ لینے کے قابل جو چیز ہے وہ نہ لیں۔ اور زبان کو گونگا بنالیا تاکہ نہ کہنے والی بات نہ کہی جائے، پاؤں کو لنگڑا بنالیا ہے تاکہ جہاں پر جانا مناسب نہیں وہاں نہ جائیں، پس جو لوگ اس قسم کے ہیں وہ واقعی مقامِ قرب کو پہنچ چکے ہیں۔ اور ان شاء اللہ قیامت کے عذاب سے نجات پائیں گے۔"(۵)

جو انسان مالک کی بارگاہ کا فقیر ہو جاتا ہے وہ مال و دولت کے لئے مخلوق کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، اُس کی ہر امید اپنے رب سے ہی وابستہ ہوتی ہے، درویشوں کے اِسی استغنا کو بابا فریدؒ نے یوں بیان فرمایا ہے:

"کامل حال درویش وہ جنہیں کسی اور کی حاجت نہیں بلکہ وہ اسرارِ نعمت سے جو اُن میں ہیں آنے والوں کو حصہ دیتے ہیں اور ان کا مدعا پورا کر کے لوٹاتے ہیں۔ لیکن کوئی درویشی کا دعوی کرے اور بادشاہوں کے پاس روپے پیسے کی خاطر آئے تاکہ اپنی ضرورت مہیا کر سکے تو سمجھ لو کہ اسے نعمت حاصل نہیں، اگر اُسے کچھ حاصل ہوتا تو کبھی مخلوق کے دروازے پر نہ جاتا اور کسی سے توقع نہ رکھتا۔ جہاں پر درویشی کا قدم آتا ہے وہاں پر کسی کا گذر نہیں ہوتا اس واسطے کہ درویشوں پر خود نعمت کا دروازہ کھلا ہوتا ہے۔ اور سلطنت کا خزانہ درویشوں کے سپرد ہوتا ہے تاکہ جیسے چاہیں درویشوں کی معاش کی خاطر خرچ کریں، پس انہیں دوسرے کی احتیاج ہی کیا ہے؟"(۶)

حضرت بابا فریدؒ کے مذکورہ بالا ملفوظات کی روشنی میں تصوف کا جو تصور سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ بابا فریدؒ کا تصوف اُسی زہد کا تسلسل ہے جس کے مظاہر رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم، آپکے اہل بیت اور آپکے خلفاء کی زندگیوں میں نظر آتے ہیں، بابا فرید کا تصوف عشق الٰہی، ذکر الٰہی، باطنی آلائشوں سے پاک ہونے، اہل دنیا سے بے نیازی اور خدمت خلق کا نام ہے۔ جس میں شریعت سے متصادم کسی فکر اور رویے کی گنجائش نہیں۔

عشقِ الٰہی

راہ طریقت کے مسافر عبادت، ریاضت اور مجاہدات کے ذریعے قربِ الٰہی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، راہِ طلب میں نکلنے والوں کو برسوں کی محنت اور مشقت کے بعد منزلِ مقصود تک رسائی حاصل ہوتی ہے، مگر جن سعادت مندوں کو عشقِ حقیقی کی حلاوت و حرارت نصیب ہو جاتی ہے وہ برق رفتاری سے مسافتوں کو سمیٹتے ہوئے منزل کی طرف بڑھتے ہیں، عشق الٰہی، سوز و گداز اور جذب و مستی کے حوالے سے چشتی مشائخ ایک امتیازی شان رکھتے ہیں، حضرت بابا فریدؒ نے عشقِ الٰہی کے اسرار اس خوبصورتی سے بیان کئے ہیں کہ آپ کے ملفوظات کا مطالعہ کرنے والے باذوق قارئین کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلِ رواں جاری ہوتا ہے۔ آپ نے عشق الٰہی کی حرارت کے حوالے سے فرمایا:

> "عشق کی آگ ایسی ہے جو درویش کے دل کے سوا کہیں اور قرار نہیں پکڑتی۔ اگر صاحب ذکر اپنے سینے سے ایک آہ نکالے تو شرق سے غرب تک جو کچھ ہے سب اس کو جلا کر ملیامیٹ کر دے۔"[۷]

حضرت بابا فریدؒ نے عشق الٰہی کی جلوہ گاہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

> "مومنوں کے دل پاکیزہ زمین کی طرح ہوتے ہیں اگر محبت کا بیج اس میں بویا جائے تو اس سے طرح طرح کی نعمتیں پیدا ہوں گی۔ پس اس سے تو اوروں کو بھی حصہ دے سکتا ہے اور تیرے لئے بھی کافی ہو جاتا ہے۔"[۸]

عشق الٰہی کیسی عظیم نعمت ہے؟ اس کی قدر و قیمت کوئی سوختہ جاں اور شکستہ خاطر ہی جان سکتا ہے، عشق جیسی بے بہا نعمت کا اندازہ ہیروں اور جواہرات کا کوئی بیوپاری نہیں کر سکتا، یہ نعمت خراب حالوں کو ہی ملتی ہے۔ بابا فرید فرماتے ہیں:

> "عشق حقیقی ایک ایسا موتی ہے جس کی قیمت کا اندازہ کوئی جوہری یا قدر شناس نہیں کر سکتا۔۔۔ اس قسم کی بے بہا نعمت کسی مقرب فرشتے کو نہیں ملی، یہ صرف آدمی کو ملی ہے۔ جیسا کہ خود فرمایا ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِی آدَمَ۔[۹] جس وقت عشق پیدا کیا گیا تو اسے حکم ہوا کہ اے عشق! تو جا کر اندوہناک آدمیوں کے دل میں قرار پکڑ کیوں کہ وہی جگہ تیرے رہنے کے قابل ہے۔"[۱۰]

عشق الٰہی جیسی لازوال دولت کیسے ہاتھ آتی ہے؟ اِس کے حوالے سے سالک کے قول و فعل میں مطابقت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضرت بابا فرید کا ارشاد ہے:

"جب نورانی عالَم سے تجلّی الٰہی کے اسرار و انوار نازل ہوتے ہیں تو پہلے دل پر نازل ہوتے ہیں۔ اور جب زبان و دل آپس میں موافق ہو جاتے ہیں تو پھر عشق کے انوار وہاں مکان (قیام) کرتے ہیں۔ اگر دل اور زبان ایک دوسرے کے موافق نہیں تو محبت کے انوار وہاں سے واپس چلے جاتے ہیں اور ایسے دل پر چلے جاتے ہیں جو زبان کے موافق ہوتے ہیں۔"(۱۱)

حضرت بابا فریدؒ نے عشقِ الٰہی کی کیفیات سے سرشار شخص کی ایک واضح علامت کو یوں بیان فرمایا ہے:

"اے درویش محبت حق میں صادق وہ شخص ہے جو ہر وقت اس کی یاد میں رہے اور لحظہ بھر اس کی یاد سے غافل نہ رہے۔ اہل سلوک کہتے ہیں کہ لوگ اکثر اُسی چیز کا ذکر کرتے ہیں جس سے اُن کی محبت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے وہ یاد خدا سے ایک دم بھی غافل نہیں ہوتا۔"(۱۲)

عشقِ الٰہی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے بابا فریدؒ فرماتے ہیں:

"حق تعالیٰ کی محبت ایک ایسا بادشاہ ہے کہ جس کسی دل میں مقام کرتا ہے تو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کے سوا اور بھی کوئی اس دل میں رہے۔"(۱۳)

خوفِ خدا

ایمان خوف اور رجاء کے درمیانی کیفیت کا نام ہے، لہٰذا علماء کا علم اور صوفیاء کا روحانی مرتبہ جس قدر بڑھے گا اُن کے دلوں میں امید اور رجاء کے ساتھ ساتھ خوفِ خدا میں بھی اُسی قدر اضافہ گا، حضرت بابا فریدؒ نے تصوف کی اِس اہم جہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اے درویش! حق تعالیٰ کی طرف سے بے ادب بندوں کے لئے تازیانہ ہے تاکہ وہ اللہ سے ڈر کر گناہ سے باز آ جائیں اور سیدھی راہ چلیں۔۔۔ کلام مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے: أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ(۱۴) یعنی اے میرے بندے! کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ میرے ڈر کے مارے تمہارے دل نرم ہوں؟ یا کوئی تم میں سے ایسا ہے جو ہم سے صلح کرے؟ یعنی توبہ کرے اور میں اُس کی توبہ قبول

کروں، خوف اُس کے عدل اور امید اُس کے فضل کی وجہ سے ہے، پس اُس کی درگاہ کا معزز بندہ وہ ہے جس میں یہ دونوں باتیں ہوں۔ اے درویش! انبیاء اولیاء خوفِ خدا کے مارے اُسی طرح پگھلتے آئے ہیں جیسے سونا کٹھالی میں۔"(۱۵)

عصر حاضر میں تصوف کے بعض دعویدار رجائیت پسندی کو یوں فروغ دیتے نظر آتے ہیں کہ گویا خوفِ خدا کی اُن کی نظروں میں کچھ اہمیت ہی نہیں ہے، جبکہ ایسی غیر معتدل سوچ کا نہ کتاب وسنت سے کچھ تعلق ہے نہ اسلامی تصوف سے۔ رجائیت اور خوفِ خدا کے حوالے سے صحیح رائے وہی ہے جو حضرت بابا فریدؒ نے بیان فرمائی ہے۔

توکل

اللہ تبارک وتعالی نے دنیا کو دار الاسباب بنایا ہے، بعض کوتاہ نظر لوگ غیر شعور طور پر مسبب الاسباب کو بھلا کر اسباب پر ہی نظریں جما کر بیٹھ جاتے ہیں، لیکن عقلِ سلیم رکھنے والے حضرات اسباب کو اختیار تو کرتے ہیں مگر بھروسہ اور توکل مسبب الاسباب پر رکھتے ہیں، اِسی روشن حقیقت کو بیان کرتے ہوئے بابا فریدؒ فرماتے ہیں:

"جو شخص عالم توکل میں حق تعالی کے کرم پر بھروسہ کرتا ہے اُسے عالم غیب سے روزی پہنچتی ہے۔ اور جو کچھ وہ طلب کرتا ہے۔ اُسے مل جاتا ہے۔"(۱۶)

آپ توکل کے حوالے سے مزید فرماتے ہیں:

"عقلمند وہ شخص ہے جو سب کاموں میں اللہ پر توکل کرے اور کسی سے کسی طرح کی امید نہ رکھے۔"(۱۷)

عوام الناس مشائخ کے پاس اللہ اللہ سیکھنے آتے ہیں لہذا ایک سجادہ نشین کو توکل میں طاق اور اچھا عملی نمونہ ہونا چاہیے، وہ خود بھی کسی مخلوق سے نفع کی امید نہ رکھے تاکہ وہ اپنے متعلقین کو توکل کی صحیح تعلیم دے سکے، اس حوالے سے بابا فریدؒ فرماتے ہیں:

"اے درویش! خواجہ قطب الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ بیس سال تک عالم توکل میں رہے اور خلقت سے گوشہ گیری اختیار کئے رہے، اس عرصے میں باورچی خانہ میں چیزوں کی ضرورت ہوتی تو خادم آکر التماس کرتا تو ایک مقام کی طرف اشارہ کرتے کہ وہاں سے روپیہ پیسہ اور اناج وغیرہ جس قدر ضرورت ہو لے لو اور لے جا کر درویشوں کو کھلانا۔ سجادے پر بیٹھنے کا مستحق وہی شخص ہے جو عالمِ توکل میں رہے اور کسی مخلوق اور کسی

چیز کی توقع نہ رکھے، اگر اُس میں یہ بات نہیں پائی جاتی تو وہ سجادہ نشینی کے لائق نہیں، بلکہ اہل تصوف کے نزدیک وہ جھوٹا مدعی ہے، اہل توکل پر حقائق میں ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اُس وقت اگر اُنہیں آگ میں پھینک دیا جائے تو اُنہیں [آگ یا اُس کی حرارت کی] مطلق خبر نہیں ہوتی۔"(۱۸)

حضرت بابا فریدؒ کے پیشِ نظر ملفوظ سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ اگر اصحابِ سجادہ میں ہی توکل کی صفت نہ ہو تو وہ اپنے متعلقین کو اسباب کی بجائے مسبب الاسباب پر بھروسہ کرنا کیسے سکھائیں گے، لہٰذا بابا فریدؒ کے فرمان کے مطابق مشائخ کو اس حوالے سے خود احتسابی اور توجہ کی شدید ضرورت ہے۔

توبہ

توبہ راہِ طریقت کا وہ نقطہ ءآغاز ہے جس کے ساتھ سالک کا تعلق کبھی بھی نہیں ٹوٹتا بلکہ زندگی کی آخری سانس تک قائم رہتا ہے، قربِ الٰہی کے اس اہم ذریعے پر روشنی ڈالتے ہوئے بابا فرید فرماتے ہیں:

"آنکھوں کی توبہ تین قسم کی ہوتی ہے۔ اول ممنوعہ اشیاء کے دیکھنے سے، دوسرے اگر کوئی مسلمان بھائی کی غیبت کرے اور کچھ دیکھ لے تو اس سے توبہ کرے کہ میں نے کیوں دیکھا، آنکھ دیکھ لے تو کسی کے آگے ایسے بیان نہ کرے۔ کان کی توبہ یہ ہے کہ ناقابل شنید باتوں سے توبہ کرے اور کوئی ممنوعہ شے نہ سنے پھر اس کی توبہ توبہ شمار ہوگی۔ ہاتھ کی توبہ یہ ہے کہ جن مقامات پر جانا مناسب نہیں ہے وہاں نہ جائے اور خواہش سے پاؤں باہر نہ رکھے۔ نفس کی توبہ یہ ہے کہ نفس کو تمام خواہشات، ماکولات اور شہوات سے باز رکھا جاتا ہے۔"(۱۹)

توبہ کا عمل اللہ تعالی کی رحمتوں کے نزول کا سبب ہے، لہٰذا اولیاء صالحین بھی اپنی تمام تر نیکیوں کے باوجود توبہ واستغفار کی راہوں پر گامزن رہتے تھے، مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ بابا فریدؒ چاہتے تھے کہ سالکین کی آنکھوں، کانوں، ہاتھوں اور پاؤں پر ہمیشہ توبہ کا پہرہ رہے اور اُس کی زندگی میں کبھی لغزش کا موقع نہ آئے۔

تلاوتِ قرآن

دین کا سطحی فہم رکھنے والے بعض لوگوں کے اذہان میں تصوف کا مفہوم اوراد ووظائف تک محدود ہوتا ہے اور وہ قرآنِ کریم کی غور وفکر والی تلاوت کی اہمیت اور روحانیت سے نابلد ہوتے ہیں، حضرت بابا فرید رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غور وفکر والی تلاوتِ قرآن کی اہمیت سے خود بھی آگاہ تھے اور آپ نے اپنے وابستگان کو بھی آگاہی کے اِس نور سے معمور فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں:

"اے درویش! قرآن شریف کی تلاوت تمام عبادتوں سے افضل ہے اور دنیا و آخرت میں اس سے درجہ ملتا ہے، پس چونکہ قرآن شریف پڑھنے سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں اس لئے آدمیوں کو چاہیے کہ ایسی نعمت سے غافل نہ ہوں۔۔۔ جو شخص دوست سے ہم کلامی کرنا چاہے وہ کلام اللہ میں مشغول ہو۔ پھر فرمایا: نیک بخت وہ بندہ ہے جو دوست سے ہم کلام ہو، دوست سے ہم کلامی کی سعادت قرآن شریف کی تلاوت کی سعادت سے حاصل ہوتی ہے۔ لوگوں کو اکثر حضور اور مشاہدہ کی نعمت تلاوت قرآن کے وقت حاصل ہوتی ہے، اس لئے کہ جو سرّ عالم میں ہے، وہ قرآن شریف پڑھتے وقت انسان پر منکشف ہوتا ہے۔"(۲۰)

حضرت بابا فریدؒ روحانی ترقی کے متلاشیوں کو اپنے مشائخ میں سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا غور وفکر پر مبنی اسلوبِ تلاوت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"شیخ قطب الدین بختیار راوشی قدس سرہ قرآن شریف کی تلاوت کرتے وقت کسی وعید کی آیت پر پہنچتے تو سینے پر ہاتھ مار کر بے ہوش ہو جاتے، جب ہوش میں آتے تو پھر قرآن شریف پڑھنے میں مشغول ہو جاتے، اس طرح دن بھر میں تقریباً چھ ہزار مرتبہ بے ہوش ہوتے۔ اور جب کسی آیت مشاہدہ پر پہنچتے تو مسکرا کر اٹھ بیٹھتے اور عالم مشاہدہ میں متحیر ہو جاتے اور ایک دن رات اسی عالم مشاہدہ میں اس طرح متحیر رہتے کہ آپ کو اپنے آپ کی مطلق خبر نہ ہوتی۔"(۲۱)

حضرت بابا فریدؒ کے ان ارشادات سے تلاوتِ قرآن کی روحانی برکتوں کا اندازہ ہوتا ہے، نیز حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ذوقِ تلاوت سے اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک صوفی کو تفکر اور تدبر والی تلاوتِ قرآن کس ذوق و شوق سے کرنی چاہیے، مذکورہ بالا ملفوظ سے معلوم ہوا کہ چشتی مشائخ کو صرف سماع سے ہی نہیں بلکہ حق تعالیٰ کے جمالِ جہاں آراء

اور اُس کے مشاہدہ سے متعلق آیات کی تلاوت سے بھی حضوری اور وجد کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔

ذکرِ الٰہی

ربِّ کریم نے انسان کو دل عطا فرمایا جو انسانی جسم کی زندگی کے تسلسل میں اہم کردار ادا کرتا ہے، مگر اہلِ تصوف اُسی دل کو زندہ سمجھتے ہیں جو دنیا سے رخ پھیر کر اللہ کی یاد میں مشغول رہے، بابا فریدؒ فرماتے ہیں:

"اہلِ تصوف صرف اسی دل کو زندہ سمجھتے ہیں جو یادِ حق میں مستغرق ہو اور ایک دم بھی یادِ الٰہی سے غافل نہ ہو۔"(۲۲)

آپ دل کی زندگی اور موت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

"دلِ مردہ بھی ہوتا ہے اور زندہ بھی، چنانچہ کلام اللہ میں لکھا ہے: "أَوَمَن كَانَ مَيْتًا"(۲۳) یعنی دنیاوی شغلوں کی کثرت سے دل مر جاتا ہے۔ پس اسے ذکرِ الٰہی سے زندہ کرو۔ پھر فرمایا: جب دل دنیاوی لذتوں، شہوتوں، ماکولات، اور مشروبات میں مشغول ہو جاتا ہے تو غفلت کا اس پر اثر ہوتا ہے۔ اور خواہش اس پر غالب آجاتی ہے، ہر طرف سے دل میں ایسے خطرات آنے شروع ہو جاتے ہیں جو دل کو سیاہ کرتے ہیں، صرف حق تعالیٰ کا اندیشہ دل کو سیاہ نہیں کرتا۔ جب دل سیاہ ہو جاتا ہے تو گویا وہ مردہ ہے، جیسا کہ جس زمین میں شور زیادہ ہو جائے تو وہ بیج قبول نہیں کرتی۔ اور کہتے ہیں کہ یہ زمین مردہ ہے، اِسی طرح جس دل سے ذکر چلا جائے تو اس پر دیو پری غالب آجاتے ہیں، پس جو دل دیو پری کی نشست گاہ ہے وہ مردہ ہے، اِس واسطے کہ ذکر حق، حق ہے اور جو کچھ اُس کے سوا ہے خذلان اور بطلان ہے۔۔۔ ضروری ہے کہ حق کے سوا کچھ نہ سنے۔ کیونکہ سننا زندوں کا کام ہے نہ کہ مردوں کا۔ لیکن جس وقت انسان کے دل سے دُنیاوی تعلق دور ہو جاتا ہے اور ہوائے نفسانی اُس سے چلی جاتی ہے اُس وقت وہ سالک ذاکر بنتا ہے۔ ایسا دل نورِ ذکر سے زندہ ہوتا ہے۔"(۲۴)

حضرت بابا فریدؒ نے لاہور کے ایک سفر میں کسی صاحبِ حال سے ذکرِ الٰہی کے حوالے سے جو کچھ سنا اسے اپنے ملفوظات میں یوں سمو دیا:

"ایک مرتبہ میں لاہور جا رہا تھا کہ ایک صاحبِ نعمت بزرگ کو دیکھا، جب ملاقات ہوئی تو

مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ لوگوں کو ذکر الٰہی چھ باتوں سے حاصل ہو تا ہے: اول ایسی حالت کو پہنچ جائے کہ وہ سالک یہ خیال کرے کہ اللہ تعالی میرے دل کو دیکھ رہا ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالی اُسے گناہوں سے باز رکھتا ہے۔ جو شخص ذکر کے وقت گناہوں کی فکر میں رہا سمجھو کہ اللہ تعالی اسے دور پھینکتا ہے۔ سالک ذکر الٰہی کی کثرت کے ذریعے اللہ تعالی کی دوستی کو دل میں محکم کرے۔ جب کوئی شخص اللہ تعالی کو دل میں یاد کرتا ہے تو اللہ اسے دوست بنالیتا ہے۔ اور جو شخص کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہے وہ دیو پری کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ قبر میں اللہ تعالی اس کا مونس ہوتا ہے۔ پھر فرمایا: کوئی کام ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر نہیں اِسے بڑھنا چاہیے کیونکہ اِس کا پھل تمام طاعتوں سے بڑھ کر ہے۔"(۲۵)

حضرت بابا فرید کے اِن ملفوظات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ذکر الٰہی کو اس قدر اہم سمجھتے تھے کہ وہ ذکر سے غافل دل کو مردہ جبکہ ذکر کی حلاوت سے آشنا دل کو ہی زندہ تصور کرتے تھے، وہ ذکر الٰہی کو نفلی عبادات میں بہت بلند مرتبہ عبادت شمار کرتے تھے، وہ صوفیاء کی اِس رائے سے متفق تھے کہ سالک کے دل کو ایک لحظہ بھی ذکرِ الٰہی سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔

کرامت

انبیاء کے معجزات کی طرح اولیاء کی کرامات کو بھی برحق مانا گیاہے، مگر صوفیاء نے کرامات کے اظہار کو ناپسند فرمایا، اس حوالے سے بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"جس طرح پیغمبروں کا معجزہ برحق ہے اسی طرح اولیاء کی کرامت بھی حق ہے۔ لیکن مذہب سلوک کی رو سے کرامت کا اظہار کرنا اچھا نہیں۔"(۲۶)

کرامت کے حوالے سے بابا فریدؒ نے مزید فرمایا:

"کرامت کو ظاہر نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ کام حوصلے کے سبب سے ہے۔ اور مشائخ طبقات نے اسے پسند فرمایا اس صورت میں چاہیے کہ مرد اپنے آپ کو کچھ نہ جانے۔ بعد ازاں فرمایا کہ ایک مرتبہ خواجہ حسن نوری نوراللہ مرقدہ نے دجلہ پر ایک ماہی گیر کو دیکھا جس نے دریا میں جال ڈالا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اگر مجھ میں کچھ کرامت ہے تو جال میں ڈھائی سیر مچھلی آئے گی۔" جب یہ بات خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے سنی تو فرمایا: "کاش! جال میں مچھلی کی جگہ سانپ نکلتا تا کہ اسے ڈستا اور وہ شہید کی موت مرتا اب کسی

کو کیا معلوم کہ اُس کا انجام کیا ہو گا؟"(۲۷)

کرامات کا ظہور اگرچہ بر حق ہے مگر بابا فریدؒ کو کرامات کے اظہار سے گریز کا جذبہ اپنے مشائخ سے ورثے میں ملا، دیگر سلاسل کے مشائخ طریقت کا موقف بھی یہی ہے، وہ اخفائے حال اور اخفائے کرامت کو بلند حوصلے والا عمل شمار کرتے تھے۔ حضرت بابا فریدؒ کا مندرجہ بالا ملفوظ نہایت اہم ہے کہ اگر کسی سے کرامت سر زد ہو بھی جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اخفا اور عجز و نیاز کا راستہ اختیار کرے۔

حاصلات

پیش نظر مقالے میں تصوف کے حوالے سے حضرت بابا فرید الدین مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مطالعہ کرتے ہوئے مقالہ نگار کو جو حاصلات دستیاب ہوئے وہ درج ذیل ہے:

۱۔ حضرت بابا فریدؒ کا تصوف اُسی زہد کا تسلسل ہے جس کے مظاہر رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم، آپکے اہل بیت اور آپکے خلفاء کی زندگیوں میں نظر آتے ہیں، ب وہ بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ تصوف دنیا سے بے رغبتی، فکر آخرت اور خدمت خلق کا نام ہے۔

۲۔ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اپنی صوفیانہ تعلیمات میں عشق الٰہی، ذکرِ الٰہی، خوفِ خدا، توکل، اور توبہ کی تلقین کی ہے۔ اور یہ سب امور ایسے ہیں جو کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں اور اِن امور کا عجمی (ہندی، ایرانی یا یونانی) تصوف سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں، اِس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا تصوف کہیں بھی شریعت سے متصادم نہیں بلکہ شریعت کی روح کے عین مطابق ہے۔

۳۔ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے حوالے سے بھی بڑی وضاحت سے فرمایا ہے کہ تصوف اُسی زہد کا نام ہے جس کے مظاہر رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں دیکھنے کو ملتے ہیں، نیز تصوف باطنی آلائشوں سے پاک ہونے کا نام ہے، اہل دنیا سے بے نیازی اور خدمت خلق کا نام ہے۔ اِس طرح حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات اور افکار کی روشنی میں ہمارے سامنے تصوف اور درویشی کا ایک متوازن خاکہ آتا ہے۔

۴۔ عشق الٰہی ایک بے بہا نعمت ہے جس کا اندازہ اس نعمت سے محروم کوئی انسان نہیں کر سکتا، یہ نعمت کسی مقرب فرشتے کو حاصل نہیں ہوئی، اس نعمت سے فقط اہلِ ایمان ہی شاد کام

ہوتے ہیں۔ اور جہاں عشقِ الٰہی کا ڈیرہ ہوتا ہے وہاں ماسوی کو دم مارنے کی بھی مجال نہیں ہوتی، عشقِ الٰہی کی حلاوت سے آشنا انسان ایک لمحہ ذکر حق سے غافل نہیں ہوتا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب اور مقبول وہی سعادت مند ہوتا ہے جو خوف اور امید کے درمیانی راستے پر گامزن ہے، علاوہ ازیں قابل ذکر بات یہ ہے کہ مقربین خوف خدا سے اُسی طرح پگھلتے ہیں جیسے سونا کٹھالی میں پگھلتا ہے۔

۶۔ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ اوراد و وظائف کے قائل تھے مگر آپ کی نظر میں غور و فکر والی تلاوتِ قرآن کی ایک خاص اہمیت تھی، آپ تلاوتِ قرآن کو تمام نفلی عبادتوں سے افضل جانتے تھے، آپ تلاوتِ قرآن کو ربِّ کریم سے ہم کلامی کے مترادف قرار دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تلاوتِ قرآن کی بدولت اکثر وبیشتر حضوری اور مشاہدہ کی نعمت حاصل ہوتی ہے، علاوہ ازیں آپ نے تلاوتِ قرآن کے وقت آیات میں غور و فکر کی ترغیب دی ہے۔ یہاں یہ امر بہت زیادہ قابل توجہ ہے اس لئے کہ ہمارے معاشرے کے بہت سے کم علم لوگ اور اوراد و وظائف پر کاربند تو نظر آتے ہیں مگر تلاوتِ قرآن اور قرآنی آیات میں غور و فکر کو توفیق سے تہی دامن نظر آتے ہیں، اس حوالے سے دیگر مشائخ چشت کی طرح حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہ نظر ہمارے لئے روشن چراغ ہے۔

۷۔ بابا فریدؒ نے ذکر سے غافل دل کو مردہ اور ذکر میں مشغول رہنے والے دل کو زندہ قرار دیا ہے، آپ نے ذکرِ الٰہی کے حوالے سے فرمایا: کوئی کام ذکر الٰہی سے بڑھ کر نہیں۔

۸۔ حضرت بابا فریدؒ کرامات اولیاء کو برحق سمجھتے تھے مگر آپ متقدمین کی اس رائے پر عمل پیرا تھے کہ کرامت کا اظہار درست نہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ بدر الدین اسحاق، خواجہ، اسرار الاولیاء، شبیر برادرز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص: ۵۴

۲۔ ایضاً، ص: ۵۶

۳۔ ایضاً، ص: ۸۸

۴۔ بدایونی، سید محمد نظام الدین اولیاء، خواجہ، راحت القلوب، شبیر برادرز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص: ۱۲

۵۔ بدر الدین اسحاق، خواجہ، اسرار الاولیاء، ص:۱۷

۶۔ ایضا، ص:۱۹

۷۔ ایضا، ص:۱۲-۱۳

۸۔ ایضا، ۱۹

۹۔ سورۃ الاسراء، ۷۰

۱۰۔ بدر الدین اسحاق، خواجہ، اسرار الاولیاء، ص:۲۳

۱۱۔ ایضا، ۳۱

۱۲۔ ایضا، ص:۵۹

۱۳۔ ایضا، ص:۶۰

۱۴۔ سورۃ الحدید، ۱۶

۱۵۔ بدر الدین اسحاق، خواجہ، اسرار الاولیاء، ص:۲۶۰

۱۶۔ ایضا، ص:۷۰

۱۷۔ ایضا، ص:۲۹

۱۸۔ ایضا، ص:۷۰

۱۹۔ ایضا، ص:۳۲-۳۳ ملخصاً۔

۲۰۔ ایضا، ص:۹۳

۲۱۔ ایضا، ص:۳۹

۲۲۔ ایضا، ص:۹۰

۲۳۔ سورۃ الانعام، ۱۲۲

۲۴۔ بدایونی، سید محمد نظام الدین اولیاء، خواجہ، راحت القلوب، ص:۱۴-۱۵

۲۵۔ ایضا، ص:۴۵-۴۶

۲۶۔ بدر الدین اسحاق، خواجہ، اسرار الاولیاء، ص:۹۴

۲۷۔ بدایونی، سید محمد نظام الدین اولیاء، خواجہ، راحت القلوب، ص:۳۸